حقوق نسواں: اسلامی تعلیمات اور معاصر نسوانی تحریکوں کے رویوں کا تقابلی مطالعہ

(Women's Rights: A Comparative Study of Islamic Teachings and Attitudes of Contemporary Feminist Movements)

Abdul Rahman

Doctoral Candidate Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat

Dr. Jamil Akhtar

Lecturer in Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat

Abstract

This article examines the attitudes and slogans of feminist movements in the light of Islamic teachings on women's rights and seeks to clarify the difference between their attitudes and Islamic teachings. In this regard various Islamic teachings regarding women have been presented and compared with the claims and attitudes of such movements. The study finds that Islam not only mentioned the rights of women but also gave a high status to women in the society. Islam mandates respect and dignity to women. It maintains that Islam has given women very balanced rights, which modern feminist movements, despite all their claims, have failed to provide.

Keywords: Women's Rights, Islamic Teachings, Feminist Movements, Attitudes

تمہید

اسلام میں عورتوں کی عزت و احترام کو مختلف انداز سے یقینی بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس ضمن میں اس کے بعض احکام بادی النظر میں سخت معلوم ہوتے ہیں، ایسے احکام و تعلیمات سے بعض لوگ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کے حقوق غصب کیے ہیں۔ ان کو پابند و مقید کر دیا ہے۔ اس ضمن میں عصرِ حاضر کی بہت سی وہ تحریکیں بھی

پیش پیش دکھائی دیتی ہیں، جو حقوقِ نسواں کو یقینی بنانے کے نعرے کے ساتھ میدان میں آتی ہیں۔ یہ تحریکیں اور تنظیمیں اپنے مختلف نعروں اور رویوں میں اسلام کے بعض احکام کی واضح مخالفت کرتی نظر آتی ہیں۔ بد قسمتی سے بعض مسلم خواتین بھی ان کے پروپیگنڈے کے نتیجے میں یہ سمجھنے لگتی ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو حقوق فراہم نہیں کیے اور ان کے دبا کر رکھا ہے، یا مردوں کا دست نگر بنایا ہے۔ حالانکہ ایسی تحریکوں اور این جی اوز کے حسین نعروں میں خواتین کا استحصال چھپا ہوتا ہے، جس کو عام سادہ لوح خواتین سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں۔ اس مقالے میں ایسی نسوانی تحریکوں کے رویوں اور نعروں کا حقوقِ نسواں سے متعلق اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لے کر یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کے رویوں اور اسلامی تعلیمات میں کیا فرق ہے اور خواتین کے حقوق کو اسلام میں زیادہ یقینی بنایا گیا ہے یہ ان تحریکوں کے یہاں؟ اس حوالے سے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ عورتوں سے متعلق مختلف اسلامی احکام و تعلیمات کو نکات کی شکل میں سامنے لا کر ایسی تحریکوں کے دعووں اور رویوں سے ان کا تقابل کیا گیا ہے اور آخر میں نتیجہ بحث مرتب کیا گیا ہے۔

اسلام کا تصورِ پردہ اور جدید نسوانی تحریکیں

قبل از اسلام خواتین کے حوالے سے پردہ اور چادر وچار دیواری کا کوئی خاص تصور نہ تھا،اسلام نے اس ضمن میں اہم ہدایات دیں۔ مثلاً حکم بھی نازل ہوا: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔[1] ''اے نبی مکرم ﷺ ،آپ حکم دیں خواتین کو اور اپنی جگر گوشیوں کو اور مسلمانوں کی خواتین کو کہ وہ اپنے اوپر بڑی چادر اوڑھ لیا کریں، اس سے نہ پہچانی جائیں گی اور ستائی جا سکیں گی اور اللہ ہمیشہ سے بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' اس آیت کریمہ میں حکم یہ ہے کہ چادر کو اوڑھ لیا جائے، تاکہ معاشرہ میں خواتین محفوظ رہ سکیں اور ان کی جان پہچان سے پہنچنے والے نقصان سے بچ جائیں۔ اگر مسلم خواتین بھی فیمنسٹس کی طرح اور آزاد خیالی سے بے پردگی کو اپنے لیے آزادی تصور کریں گی تو اس سے بہتری اور آزادی کی بجائے تنزلی اور خواتین مسائل کا شکار ہوں گی۔ایک آیتے میں ہے: وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ۔[2] ''اور جب تم اے لوگو نبی اکرم ﷺ کی خواتین سے کوئی چیز طلب کرو، تو (ازواج مطہرات) سے پردہ سے چیز لے لیا کرو، یہ بات تمھارے اور ازواج مطہرات کے دل کے لیے زیادہ مطہر اور پاکیزہ چیز ہے۔'' اس آیت کریمہ میں بھی پردہ کی پابندی اور اس میں لوگوں کے لیے فوائد ذکر کیے گئے ہیں، اگر اس پردہ داری کے فوائد سے معاشرہ میں امن پیدا ہو تو بد امنی کی بجائے انسان کو ہمیشہ پردہ داری اور حدود وقیود کا پاس رکھ کر تمام وہ کام کرنے چاہیے جو عزت و عصمت اور انسانی احترام میں بہتر ہوں، البتہ آج تمام این جی اوز یہ بات

---

[1] الاحزاب 33: 59۔

[2] الاحزاب 33: 53۔

بطور خاص اپنے منشور کا حصہ بنائے ہوئے ہیں کہ خواتین کو آزادی اور ملازمتوں میں حق ضرور ملنا چاہیے، اصل میں بات آزادی اور ملازمتوں میں حق کی اگر ہے، تو اسلام اس میں بخوشی اجازت بھی دیتا ہے، بلکہ رزق حلال کی تگ و دو کرنے کا حکم دیتا ہے، دراصل فحاشی، عریانی کا فروغ ہی ان جائز باتوں کو سہارا بنا کر ہی کیا جاتا ہے جو کہ چند پہلو اس میں حیا کے ہیں، اگر پردہ سے معاشرہ میں حیا آتی ہے تو نسوانی تحریکوں کو چاہیے کہ خواتین کے حقوق کے لیے پردہ کا پرچار کریں، نہ کہ اس کی مخالفت۔

نکاح اور اس کے فوائد اور جدید نسوانی تحریکیں

نکاح ایک شرعی معاہدہ ہے جس کے ذریعے عورت اور مرد کے درمیان جنسی تعلق جائز اور اولاد کا نسب صحیح ہو جاتا ہے اور زوجین کے درمیان دیوانی حقوق وفرائض پیدا ہو جاتے ہیں۔[3] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ[4] "ایسی عورتوں سے شادی کرو جو تمھیں پسند ہوں۔" اسلام میں یہ احکام ہیں، جب کہ جدید نسوانی تحریکوں میں نکاح کو مذاق بنا دیا گیا ہے، البتہ بہت سی خواتین کی تحریکوں اور تنظیموں نے نکاح کو فطری نوعیت کو تبدیل کر کے مرد اور عورت کے بندھن کی بجائے ہم جنس پرستی کو ہوا دی اور اس کے قوانین کی منظوری ہوئی، البتہ یہ غیر فطری فعل جو کہ قوم لوط میں پایا جاتا تھا، آج جدید دور میں انسانوں میں جدید خواتین کی تحریکوں نے پیدا کر دیا ہے۔

طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح کے محرکات اور جدید نسوانی تحریکیں

حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق حلال چیزوں میں سے ناپسندیدہ ترین چیز اللہ کے ہاں طلاق ہے۔"[5] ایک حدیث میں ہے: أيما امرأة سألت زوجها طلاقاً في غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة[6] "ہر وہ عورت جس نے غیر ضروری طور پر اپنے خاوند سے طلاق طلب کی اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔" اس کے برعکس خواتین کی علمبردار ان تحریکوں میں طلاق کو نہ صرف یہ کہ ناپسند نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، یہ چیز خاندانوں کے لیے انتشار و پریشانی پیدا کرنے والی ہے۔ ان تنظیموں میں خواتین کو معمولی ناچاقی اور جھگڑے کی بنا پر اپنے ہاں سہولیات دی جاتی ہیں اور چھوٹی اور معمولی لڑائی کو طلاق تک پہنچا کر خواتین کے گھر برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ اس عمل میں Women Legal Aids، شرکت گاہ اور ویمن ریسورسز پیش پیش ہیں۔

جب خواتین کو ایک تحفظ اپنے خاوند اور اولاد کے ساتھ ہے، وہ کسی اور جگہ کیسے ممکن ہے، البتہ بہت سی تحریکوں نے اس عمل کو مثبت کرنے کی بجائے اس پر منفی انداز سے کام کیا جاتا ہے۔ اور خواتین کی چھوٹی لڑائی اور ناراضگی کو بنیاد بنا کر گھر

---

[3] محمد ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار (بیروت: دار الکتب العلمیة، 2012ء)، 4:59، 60۔

[4] النساء 4:3۔

[5] سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد (بیروت: مکتبہ عصریہ، س.ن)، رقم الحدیث: 410۔

[6] احمد بن حنبل، المسند (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء)، رقم الحدیث: 22433۔

کو میدان جنگ کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے، جس سے خواتین کے تحفظ اور حقوق کی ادائیگی کی بجائے ان کا استحصال ہوتا ہے اور پھر جب قانون کے مطابق NGOs خواتین کو تحفظ فراہم کرتی ہیں اور انھیں چند دنوں کے لیے قیام وطعام کی سہولت دیتی ہیں تو اس سہولت کے استعمال کرنے کے ساتھ قانونی چارہ جوئی میں ساتھ دیا جاتا ہے، تاہم یہ مسئلہ افہام و تفہیم سے حل ہونے والا ہے، اگر خواتین اپنے حقوق کے حصول کے لیے کسی سے بھیک مانگیں تو اس کی بجائے اپنے گھر کے رشتہ دار اور خاوند کے گھر کے رشتہ داروں میں فیصلہ رکھا جائے، تاکہ یہ گھریلو امور بطریق احسن درست ہو سکیں اور اصلاح کا پہلو مدّ نظر رکھا جائے۔ بہت سی طلاقیں ضد برائے ضد سے ہو جاتی ہیں، طلاق دو خاندانوں کے باہمی تعلقات کو خراب کر دیتی ہے، چونکہ نکاح ایک خالص معاشرتی پہلو ہے، گواہ اور معاشرہ کے بغیر نکاح تکمیل کو نہیں پہنچ پاتا، تو اس کی ضد طلاق ہے اسے بھی معاشرہ اور خاندان میں مشورہ سے ضرور ہونا چاہیے۔

خلع اور جدید نسوانی تحریکیں

شریعت اسلامی میں خلع کا جواز تو ہے، لیکن اس ایک ٹول کے طور پر استعمال کرنا ایک سنگین جرم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے وعید فرمائی کہ کسی خاتو کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے خاوند سے بغیر کسی وجہ کے خلع لے اور کسی مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو بغیر کسی وجہ کے طلاق دے اور اگر کوئی فرد یا خاتون ایسا کرتی ہے، تو اس کے لیے سزا اور وعید ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:أیما امرأة سألت زوجها طلاق من غير بأس فحرام عليها رائحة الجنة-[7]"جس خاتون نے بغیر کسی معاملہ کے اپنے شوہر سے طلاق کا یا خلع کا حق استعمال کیا، تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ پہنچ سکے گی"۔اس کے برعکس جدید نسوانی تحریکیں خواتین کے لیے پناہ گاہیں میسر کر کے خواتین کو خلع جیسے حق کو استعمال کرنے کی راہ پر گامزن کرتی ہیں۔ انھوں نے خواتین کے لیے علیحدہ پناہ گاہیں بنا کر تھوڑی سی گھریلو تنازعہ پر عورت کو اس راہ پر چلانے کا وتیرہ اپنایا ہوا ہے۔

اسلام کا تصور وراثت اور جدید نسوانی تحریکیں

اسلام نے عورت کو جو حقوق دیے ہیں ان میں وراثت ایک کمال درجہ کا حق ہے، جس کا مقصد تمام ورثا کو ان کے جائز حقوق مل جائیں اور وہ اپنے اپنے حصوں اور وراثت پر مالکانہ حقوق حاصل ہو جائیں اور اس وراثت کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی حکمت اور منشا کے عین مطابق ہے، کیونکہ کوئی بھی عالم اس ذات باری تعالیٰ کے علم کا اندازہ نہیں لگا سکتا، اس طرح باری تعالیٰ کی باتوں میں حکمتیں اور دانائیاں ہوتی ہیں کوئی بھی مفکر اور مدبر اس کی حکمتوں اور دانائیوں کو نہیں سمجھ سکتا۔[8] مولانا اشرف علی تھانوی کے بقول اسلام نے میت کی وراثت میں وراثاء کے حق اس لیے محفوظ کیے ہیں کہ ان کی حق تلفی نہ ہو، اس میں جس کے جتنے حق لکھے گئے ہیں ان سب کو مل جائیں، اگر ایک فرد کے ہاتھ اختیار آ جائے تو وہ ظلم

[7] محمد بن عیسی الترمذی، السنن (مصر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، 1975ء)، رقم الحدیث: 1187۔

[8] امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 2007ء)، 2:260۔

اور زیادتی سے سب کے حقوق سلب کرے۔[9] اسلام نے خواتین کو بالترتیب وراثت میں مرد کے مقابلے میں آدھا حصہ عطا کیا، بہن کا حصہ بھائی کے مقابلے میں آدھا اور نانی، پھوپھی، خالہ، دادی، ماں، بیٹی، بہن۔ عورت بیوی کی صورت میں وراثت میں حصہ دار بن سکتی ہے، یہ اسلام نے ہی خواتین کو عزت دی ہے، جب کہ اسلام خواتین کی معاشی کفالت بھرپور انداز سے کرتا ہے، قرآنِ پاک میں خواتین کے حقوق وراثت بھرپور انداز سے ذکر کیے ہیں اور وراثت کا قطعی حکم نازل کیا گیا ہے: يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ[10] اس آیت کریمہ میں لڑکیوں اور خواتین کا حصہ ذکر کیا ہے، البتہ حضرت سعید بن ربیعہ کے بھائی کو پیغام دیا گیا کہ اپنے بھائی جو کہ فوت ہو گیا تھا، اس کے مال میں سے اس کی بیٹیوں کو دو تہائی مال دو اور کل میراث کا آٹھواں حصہ اس کی بیوہ کو دیں اور باقی ماندہ مال تمہارا ہے۔[11] قرآن نے واضح کیا کہ مردوں اور عورتوں دونوں کا وراثت میں حصہ ہے۔ البتہ جو ان کی کمائی اور خصوصاً وراثت کے تناسب میں فرق ہے اس کی اصل وجہ ابن کثیر کے مطابق یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں سارا مال لڑکے رکھ لیتے اور بیٹیوں اور خواتین کو مال میں سے کچھ نہ دیتے، البتہ باری تعالیٰ نے ان خواتین کے حصے بھی مقرر فرما دیے، تاکہ لوگ جو انھیں اپنے مالوں میں حصہ دار بنا دیں اور خواتین مردوں کے حصوں میں فرق اس لیے رکھا کہ مردوں کی ذمہ داریاں معاشی حوالہ سے زیادہ ہیں، خواتین کی مالی حوالہ سے کوئی ذمہ داری نہ ہے، اس حوالہ سے دوگنا حصہ خواتین کے مقابلہ میں مردوں کا رکھا، تاکہ یہ کسب معاش میں اس کا ہاتھ بہتر ہو سکے۔[12] اس ضمن میں علامہ آلوسی فرماتے ہیں: ''اس کام میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ مال مردوں کو خواتین سے وراثت میں دوگنا اس لیے ملتا ہے کہ مردوں کے مقابل خواتین میں عقل کم ہوتی ہے اور دین بھی کم ہوتا ہے اور خواتین کو مال و دولت کی ضرورت بھی کم ہوتی ہے، کیونکہ خواتین کے اخراجات کے ذمہ دار مرد ہوتے ہیں، باپ اور بھائی اور خاوند کی صورت میں اور مال خواتین کے لیے فساد اور شر کا باعث بنتا ہے۔[13] یہ تو اسلام کا حکمت بھرا احکامات کا منبہ ہے، جب کہ حقوق نسواں کی نام نہاد خواتین تنظیمیں جب خاندان کا شیرازہ بکھیر دیتی ہیں اور خواتین کو ان کے خاندان سے علیحدہ اور اسلامی احکام سے دور کر دیتی ہیں اور معاشی کفالت کو اپنے ذمہ لے لیتی ہیں، تو مسائل تو پیدا ہوتے ہی، تاہم جو خواتین فیمنسٹ تحریکوں کے زیر سایہ خواتین کے حقوق کی بات کرتی ہیں ان کے تصورات میں ماں سے وراثت اور معاشی معاملات چلتے ہیں، جب کہ اسلام کی تعلیم اس کے بالکل

[9] اشرف علی تھانوی، تفسیر بیان القرآن (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، 1334ھ)، 1:115۔

[10] سورۃ النساء 4:11۔

[11] ظفر احمد عثمانی، احکام القرآن (کراچی: ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ، 1418ھ)، 4:72۔

[12] ابوالفداء اسماعیل بن عمر، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (لاہور: سہیل اکیڈمی، 1982ء)، 1:459۔

[13] شہاب الدین محمود بن عبداللہ الآلوسی، روح المعانی (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1415ھ)، 1:217۔

برعکس ہے۔ اسلام میں والد کی وراثت میں بیٹی خاوند کی وراثت میں بیوی بیٹے کی وراثت میں ماں اور بھائی کی وراثت میں بہن اور دیگر ذیلی رشتہ داروں کا ذکر کیا گیا ہے۔

اسلام میں مرد وخواتین میں حقوق وفرائض کا نظام اور جدید تحریکات

بہت سی ضروریات مرد کے ذمہ معاشرے اور قدرت نے ڈالی، بہت سی ذمہ داریاں خواتین کی عادت فطرت کے مطابق ان پر عائد کی گئیں اور زندگی کو آسان اور پُر لطف بنا دیا گیا، البتہ ان معاملات کو الجھانے کی کوشش کریں اور اس بات کو مرد اور عورت کے حقوق سے بھی جوڑیں تو بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ عورت کی ذمہ داریاں بہت کم لگیں اور حقوق زیادہ رکھے گئے۔ معاشرتی ومعاشی ذمہ داریاں مرد کے ذمہ لگیں، جب کہ عورت اپنے نازک مزاج کی بناء پر گھر کی تمام ذمہ داریوں کو اٹھانے کے قابل ٹھہریں، اگر اس کا موازنہ مدرسری اور پدرسری نظام سے کریں تو بات میں مذہبی نقطہ نظر کو لاکر مذہب کو زیرک کرنے کی تمام کوششیں افسردہ اور غیر اخلاقی ہیں، جب کہ مذہب نہ عورت کی تذلیل کرتا ہے اور نہ مرد کو معاشرہ کا مرکز ومحور بناتا ہے، اسلام ایک تناسب سے حقوق وفرائض کی بہترین زندگی گزارنے کا درس دیتا ہے، اس میں مرد ہو یا عورت دونوں کے لیے حقوق وفرائض کا خوبصورت امتزاج پیدا کر کے ان کی زندگی کو چار چاند لگاتا ہے، اسلام میں سب سے بہترین کام وہ ہوگا جو کہ متوسط انداز میں ہو، نہ خواتین کو اتنا تنگ نظری سے دیکھا گیا کہ ان کی زندگی کا حق لے لیا گیا، نہ ستی کی رسم کی طرح انہیں زندہ جلایا گیا، نہ اسے تہمت پرستانہ انداز میں ذریعہ غیر شگونی قرار دیا گیا، بلکہ اس کی عزت اور تکریم دی گئی، اسے ماں اور گھر کی تمام اولاد پر حکمران اور ملکہ بنایا گیا، تمام تر نظامِ معاشرت میں جو عزت اسلام نے ماں کو دی ہے تو لگتا ہے حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق: من احق الناس بحسن صحابتی امک ثم من امک، ثم من، امک ثم من، ابوک[14] اس حدیث کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی نظام میں جو مرتبہ ماں کو ملا وہ خاندان میں کسی اور کو نہ مل سکا، تین مرتبہ اچھے سلوک کا حق دار ماں کو بنایا گیا، چوتھے مرتبے پر باپ کا ذکر کیا گیا، خاندانی زندگی میں مدار ومرکز اور محور ماں ٹھہری، عورت کی تعلیم پر زور دیا گیا، عورت کے وراثت کے حقوق خاندان میں رکھے گئے، خواتین کے ساتھ اچھے سلوک کا دوسرا پہلو، حضور ﷺ کا فرمان ہے: خيركم خيركم لأهله وأنا خير لأهلي[15] تاآنکہ تمام سلوک اور اچھائیاں اپنی خواتین اور ازواج کے لیے ہونی چاہیے، یعنی عورت اچھے سلوک کا حق دار ٹھہرے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے بہت زیادہ اچھے سلوک کا حکم دیا، اس کا قطعاً یہ مطلب نہ ہے کہ اسلام خواتین کو تنگ نظری سے قدامت پسندی سے کونے میں لگا دیتا ہے، بلکہ اس کا معنی یہ ہوا کہ خواتین کی عزت اور وقار اسلام نے بلند کی اور ان کو حقوق سے سرفراز کیا۔

تشدد کا الزام اور جدید نسوانی تحریکیں

---

[14] محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، رقم الحدیث: 5514۔

[15] ابو عبداللہ محمد بن یزید، ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ (بیروت: دار إحياء الكتب العربية، س.ن.)، رقم الحدیث: 1967۔

بعض نسوانی تحریکوں کی طرف سے باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام خواتین پر تشدد روا رکھتا ہے، حالانکہ اسلام میں اسلام ایک پُرامن دین ہے، اس میں کسی مرد کو عورت پر تشدد کی اجازت نہ ہے بلکہ اسلام میں تمام خواتین سے حسن سلوک کا حکم ہے، یہ فرسودہ روایات ہیں کہ خواتین کے ساتھ تشدد یا زیادتی کی جائے۔ منیر احمد خلیلی لکھتے ہیں کہ بعض مرد ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو اپنے گھر میں ڈکٹیٹر کی حیثیت دیتے ہیں، وہ قوامیت کو خواتین کے استحصال کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جب کہ یہ درست نہ ہے، ایسے لوگ خواتین کو رفیقہ زندگی کا درجہ دینے کی بجائے اپنی لونڈی اور باندی تصور کرتے ہیں اور اپنی زبان اور ہاتھ کو خواتین کے خلاف ناجائز استعمال کرتے ہیں، خواتین پر جسمانی لحاظ سے تشدد کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں اور خواتین کو ایذا دینے میں ذرا ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے ہیں، اسلام میں خواتین کے ساتھ ایذارسانی کا کوئی تصور نہ ہے، جس سے ان پر ظلم ڈھایا جائے، اسلام میں شوہر اور بیوی دونوں کے حقوق موجود ہیں۔[16] زبانی تشدد، جزوی و نفسیاتی تشدد میں خواتین کو لفظوں میں تکلیف دینا مراد ہے، تشدد جو زبان سے کیا جاتا ہے اس میں گالی گلوچ اور بُرے الفاظ شامل ہیں، یہ ایک تکلیف دہ عمل ہے، اس سے نفسیاتی ابتری پیدا ہوتی ہے اور بھوک نہ لگنا، بعض دفعہ الفاظ کا چناؤ بہتر نہ ہونے کی وجہ سے انسان ڈپریشن کا شکار ہو جاتا ہے، یہ ایک خطرناک قسم کا تشدد ہے۔[17] کسی بھی جاندار کو تکلیف دینے کی غرض سے اس جاندار کے جسم پر طاقت کے ذریعے سے جسمانی تشدد اور طاقت کے ساتھ انسانی سوچ وبچار کو تبدیل کرنے کے لیے اس کے دماغ پر سائنس اور تکنیکی انداز سے کوئی بھی عمل کیا جائے اسے تشدد کہتے ہیں۔[18] ستم ظریفی یہ ہے کہ تشدد کے ایسے واقعات لوگوں کی کم علمی اور جہالت کے سبب پیش آتے ہیں، لیکن این جی اوز انھیں اسلام کے ساتھ جوڑ دیتی ہیں۔

اسلام میں عورت کا مقام بحیثیت ماں اور جدید نسوانی تحریکیں

حقوق نسواں کی علمبردار تحریکیں اس مقام پر نظر نہیں کرتیں جو اسلامی تعلیمات کی رو سے عورت کو ایک ماں کی حیثیت سے ملتا ہے۔ اگر اس عظمت کو دیکھ لیا جائے تو اسلام اور مذہب کے خلاف جو پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے ، بند ہو جائے۔ خواتین کے حقوق سے متعلق تحریکوں کے رویوں کا نتیجہ ہے کہ عورتوں نے اسقاط حمل جیسے ظالمانہ حقوق مانگنے شروع کر دیے ہیں۔ جو خواتین مان بننے سے بھاگتی ہیں ان کو ماں کا مقام کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ اہل مغرب کی خواتین اپنے شباب اور جوانی کے دنوں میں عیش و تعیش میں ہی گزار دیتی ہیں تو بڑھاپا ان کو اولڈ ہاؤس میں گزارنا پڑتا ہے، جو کہ انتہائی دقت آمیز حالت میں تنہائی، جو کہ تکلیف کا باعث ہوتی ہے، البتہ یہ تصور ہی نہیں ہوتا کہ ان خواتین بوڑھی عورتوں کی اولاد انہیں اپنے گھر میں رکھ کر ان کی خدمت میں اپنا ٹائم صرف کریں، یہ تصور ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے

---

[16] سید سابق، خاندانی نظام، مترجم محمد اسلم شاہدروی (لاہور: حدیبیہ پبلی کیشنز، س.ن)، 35۔

[17] تفصیل کے لیے دیکھیں: www.bbc.urdu.com۔

[18] عمران شاہد بھنڈر، تشدد کی معنویت، ایکپریس نیوز، ہفتہ 22 اگست 2015ء۔

والدین کو بڑھاپے میں سہارا دیں، چونکہ سب سے زیادہ اس میں والدین کا اپنا قصور ہے کہ وہ اپنی جوانی کے ایام اپنی اولاد کے لیے تربیت کا موجب نہ بنے تھے، اب جب کہ ان خواتین کو موت آتی ہے تو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا کندھا بھی نصیب نہیں ہوتا، یہ صرف اس عیاشی کی بدولت ہے جو اس خاتون نے اپنی جوانی کے ایام میں گزاری تھی۔ اس کے بر عکس اسلام میں والدین کی خدمت احکام الٰہی ہے اور انہیں ایک دفعہ دیکھا جائے تو ایک حج کا ثواب درج کر دیا جاتا ہے، انہیں گھر سے باہر نہیں نکالا جاتا، بلکہ یہ گھر میں بطور مالک رہتے ہیں اور سربراہی ان ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔[19]

مطالبۂ اسقاطِ حمل اور اسلامی تعلیمات

نسوانی تحریکوں میں اسقاطِ حمل کو بہ طورِ حق پیش کر کے خواتین کو تحریک دی جاتی ہے کہ وہ چاہیں تو اسقاطِ حمل کرالیں۔ لیکن اسلام نے کسی واقعی مجبوری اور خصوصی حالات کے علاوہ اس کو جرم قرار دیا ہے۔ اگر اسقاط حمل کیا جائے گا تو وہ حکم لازم آئے گا: وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ۔[20] اگر بچوں کو زندہ درگور کرنا قرآن کی رو سے منع ہے تو جدید قتل کا انداز اسقاط حمل ہے کہ سائنسی انداز میں بھی دیکھا جائے، بچے میں زندگی شروع ہو چکی ہوئی ہے اور اس سے انسان کی موت واقع ہوتی ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اسقاط حمل کرنا کروانا تمام مسلمانوں کے اجماع سے حرام کام ہے، یہ وہی چیز ہے کہ جس کے بارے میں قرآن میں ہے کہ قیامت کے روز زندہ دفن ہونے والی یہ سوال کرے گی کہ مجھے کیوں زندہ دفن کیا گیا اور جس میں زندگی کی صورت ابھی پیدا نہیں ہوئی وہ بھی اسی حکم میں ہے، چونکہ زندگی کی بنیاد اسی سے ہے۔[21] کامل الخلقت سے قبل بھی چونکہ انسان کی بنیاد ہی زندگی سے شروع ہوتی ہے تو وہ بھی اسی حکم میں آتا ہے، تاہم دار الاحکام میں ذکر ہے: ''اور اگر کوئی حمل کے دوران کسی حمل کو ضائع کرے تو اس پر بھی وہی کامل الخلقت ہونے یا نہ ہونے کی شرط نہ ہے، تاوان قتل کا ہی ہے، چونکہ انسان کی جان لینا سنگین جرم ہے، تاہم اس صورت میں ارشادِ نبوی بھی اس طرح سے ہے یعنی جنین کا گرانا اسقاط کرنے میں بھی ایک لونڈی یا غلام آزاد کرنے کا تاوان ہے۔[22] مولانا سیف الرحمان رقم طراز ہیں: ''اگر کسی حمل میں زندگی اور روح کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں تو پھر قطعی حرمت ہے، لیکن اگر اس حمل میں زندگی کے آثار نمودار نہیں بھی ہوئے، پھر بھی یہ حمل ساقط کرنا جائز نہیں، چونکہ یہ زندگی کے آثار کے بعد علیحدہ ایک جان تصور کی جائے گی، لیکن اس سے قبل یہ عورت کے بدن کا ایک حصہ ہے اور جسم کے کسی بھی حصہ کو اتارنا یا کاٹنا بھی ایک سنگین جرم ہے۔[23] اسقاطِ حمل سے ویسے بھی خواتین کی صحت پر بھی بُرے اثرات

---

[19] عطاء اللہ صدیقی، عورتوں کے حقوق کے نام پر (لاہور: ماہنامہ محدث، جنوری 1997ء)، 1:1:6،7۔

[20] بنی اسرائیل 17:31۔

[21] احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ، فتاویٰ ابن تیمیہ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1987ء)، 4:217۔

[22] ابن عابدین، رد المختار، 2:109۔

[23] مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل (کراچی: زمزم پبلشرز، جون 2010ء)، 5:90۔

مرتب ہوتے ہیں، چونکہ یہ غیر فطری عمل ہے، اس سے خواتین کی اپنی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور اس عمل کی اجازت سے بدکاری اور بدفعل عناصر جنم لیں گے، البتہ اس ضمن میں حالیہ واقعہ لاہور میں ایک ٹیچنگ ہسپتال میں لڑکی کی نعش چھوڑ کر بھاگ جانے والے افراد سے یہ بات سامنے آئی کہ وہ اس کا اسقاط حمل اور ابورشن کروا کر بدفعلی کو چھپا نا چارہے تھے، تاہم اس بڑے انداز کے واقعات تبھی رونما ہوتے ہیں جب خواتین کو بے راہ روی پر چلا دیا جاتا ہے، یہ تشدد اور زیادتی کی سب سے بڑی مثال ہے۔[24]

ہم جنس پرستی اور اسلام کا تصورِ خاندانی زندگی

ایسے گروہ بھی ہیں جو کہ جنسی بے راہ روی اور آزادی کے نعرے لگاتے تھے اور اب بھی ایسی تحریکیں موجود ہیں اور اس جدوجہد میں تسکین حاصل کرنے کے لیے ہم جنس پرستی کی دعوت کو عام کیا، پھر اسے قانونی درجہ بھی دیا گیا، اب ان کے اس آزاد معاشرہ میں مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے جیسا چاہیں تعلق قائم رکھ سکتے ہیں۔ اور دونوں مرد اور دونوں عورتوں کا آپس کا تعلق بھی میاں بیوی والا اور جب تک چاہیں اسے قائم اور برقرار رکھ سکتے ہیں، حقوق نسواں کی نام نہاد تحریکوں نے دنیا میں خواتین کو آزادی کے چکر میں اس غیر فطری عمل کو رائج بھی کیا اور اسے قانونی تحفظ بھی دیا گیا اور اس کے نتیجہ میں صرف زنا بالجبر قانونی طور پر جُرم ہے، اس کے علاوہ اگر خاتون راضی ہو اور زنا ہو، تشدد ہو یا دیگر جرائم ہوں اسے جرم کا درجہ نہیں ملے گا، لیکن اگر عورت مرد سے ناراض ہوگئی اور وہ مرد کو اپنی بلیک میلنگ میں نہ لا سکی تو قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتی ہے، ستم کی بات ہے کہ جرائم سے انحراف کا آسان راستہ نکال کر معاشرے کو فتنہ وفساد جیسی اور قتل وغارت جیسی بڑی بیماریوں میں دھکیل دیا گیا، اس لیے انسان زیادہ تحفظ ہونے کے باوجود محفوظ نہ ہے اور آئے روز جرم نئے انداز سے ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ عالمی رپورٹ کے مطابق ۸۰ فیصد سے زائد افراد جو کہ ایڈز کے مرض میں مبتلا ہوئے وہ جنسی تعلقات کے غلط استعمال سے ہوئے، تاہم جنس پرستی بھی اس کا ایک راستہ ہے، اس کو لواطت کا نام دیا گیا ہے مرد کا مرد سے[25] زنا کا ارتکاب قوم لوط میں ہوا۔ قرآن پاک میں کہ پھر جب اس قوم کی عجیب خلاف فطرت حرکتیں تھیں تو آسمان سے حکم الٰہی آگیا اور زمین کا نیچے والا حصہ اوپر کر دیا اور مکانوں کی چھتیں نیچے دے ماریں اور اس قوم کی طرف لوگوں کے ناموں کے نشان زدہ پتھروں کی بارش برسی۔[26] یہ خلاف فطرت لواطت کرنے والی قوم کی سزا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ذکر کی ہے تو حضورﷺ نے اس ضمن میں فرمایا: من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول به[27] "جو کوئی قوم لوط والا فعل کرتے ہوئے جس کو

---

[24] دنیا نیوز، 25 جنوری، 2012ء۔

[25] محمد رضی الاسلام ندوی، اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام، (لاہور: مکتبہ قاسم العلوم، 2017ء)، 40-42۔

[26] ہود 11: 82، 83۔

[27] محمد بن عیسی الترمذی، السنن (مصر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، 1975ء)، حدیث: 1456۔

دیکھے تو فاعل و مفعول دونوں کو مار دیا جائے۔" اسلام نے اس فعل پر سختی سے منع کیا ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے تو ایک چادر میں دو مردوں کو لیٹنے سے منع فرمایا: لا یفضي الرجل إلي الرجل في الثوب الواحدولا یجوز للرجل مضاجعة الرجل وإن کان کل واحد منهما في جانب من الفراش[28] یعنی دو مردوں کا بھی ایک دوسرے کے ساتھ لیٹنا جائز نہیں، یعنی ایک چادر میں چاہے ایک کنارے پر اور دوسرا دوسرے کنارے پر ہو، البتہ یہ حدود اسلام میں اس لیے ذکر ہیں تاکہ مرد کا مرد سے دور رہنا شیطانی حرکات سے محفوظ رکھتا ہے اور خواتین کا خواتین سے دور بھی اسی اثنا سے رہنا چاہیے تاہم امریکہ میں تو آبادی کا پانچواں حصہ ایسا ہے جو کہ ہم جنسی کی زد میں آیا ہوا ہے، برطانیہ میں بھی وزرا تک یعنی انجیلا ایگل ہم جنس پرست ہونے کا دعویٰ کر چکی ہیں، جرمنی میں ہم جنسوں کو قانونی شادی کی اجازت مل گئی ہے، نیدر لینڈ، سویڈن اور ناروے میں بھی یہ قانونی نکاح ہم جنس پرستوں کو اجازت مل گئی ہے، البتہ بھارت میں تحریک زور پکڑ رہی ہے، لیکن قانونی حیثیت نہ ملی ہے، پاکستان میں بھی کئی ہتھکنڈے آزمائے گئے ہیں۔[29]

فرار کی شادیاں اور اسلام

دین اسلام میں نکاح ایک معاشرتی طور پر خاندان کی بنیاد میں پہلا قدم ہے اور اس پہلے قدم میں خاندان کے تمام افراد باہمی رضامندی سے اور خوش اسلوبی سے اس کام کو سر انجام دیتے ہیں، البتہ اس سلسلے میں عورت کی رضامندی کے ساتھ اس کے ولی کا ہونا اور رضامند ہونا بھی لازم جزو ہے، لیکن اگر دونوں کسی ایک جگہ پر رضامند نہیں ہیں تو ولی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لڑکی کو زندگی کی اونچ نیچ فائدہ اور نقصان سے آگاہ کرے، البتہ اگر دونوں رضامند ہو جائیں تو نکاح ہو جانا ضروری ہوتا ہے۔ جدید دور کی مغربی سوچ اور فکر میں تو لڑکی کو ولی کی ضرورت نہ ہے، اسی فکر اور سوچ کو پروان چڑھا کر ولی کا نہ ہونا ہی آج کی تمام خواتین کو یہ سکھایا جا رہا ہے، البتہ یہ درست نہ ہے، چونکہ خواتین آزادی کی دھن میں اس کو ضروری نہیں سمجھتیں اور معاشرے میں خود کو اپنے فیصلہ کرنے کا مجاز بنا لیتی ہیں، اسلام نے اعتدال کا ایسا راستہ چُنا ہے جس میں فریقین کا راضی ہونا اور خوش ہونا بھی لازم ہے، لیکن چلتے ہوئے دور میں مخلوط نظام تعلیم، الیکٹرانک میڈیا، میگزین، ناول، سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ، فیس بک اور دیگر ذرائع ابلاغ کی جدید سہولیات میں ڈھل کر اندھی تقلید نے نوجوان نسل کو تباہ کر دیا ہے، البتہ اسلام میں پسند کی شادی کا کوئی تصور نہیں، کیونکہ اس سے معاشرتی طور پر غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مولانا صدر الدین اصلاحی لکھتے ہیں کہ: "جہاں جوان لڑکیاں معاشرتی آزادی کی بناء پر اپنے فیصلہ سازی کو اپنے ہاتھ میں لیں ان کی راہ میں اسلام کی ہدایات پر عمل پیرا ہونا اور اپنے بزرگوں کے فیصلہ سازی بالغ النظری کی بناء پر اثر انداز ہو اور نہ اخلاقی طور پر انہیں اپنے مشورہ میں شامل کریں، چونکہ ایسے معاشرہ میں خون اور قرابت داری کی اہمیت ختم ہو چکی

[28] ابو عبداللہ محمد بن عمر الرازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ)، 6: 459۔

[29] سلطان احمد اصلاحی، عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی راہنمائی (نئی دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، 2018ء)، 44-46۔

ہوتی ہے اور جذبات اور گرم جوشی ہی زندگی کی راہ متعین کرتی ہے تو ایسے فیصلے عموماً نقصان کا باعث ہوتے ہیں، چونکہ جو خاندان کے افراد اپنے لیے اور اولاد کے لیے بہتر جانتے اور چاہتے ہیں وہ کوئی دوسرا یا خود نوجوان نہیں کر سکتا، اس لحاظ سے نوجوانوں کو اپنے بڑے اور لڑکیوں کو ولی (باپ) کا پاس رکھنا چاہیے۔[30] جدید نسوانی تحریکوں کی خود ساختہ آزادی کی آرزو میں نوجوان لڑکیاں بہہ کر اپنے فیصلہ سازی اپنے ہاتھ میں لے کر خود گھر سے آشنا کے ساتھ فرار ہو کر شادیاں کرتی ہیں۔

عورت کی ملازمت اور جدید نسوانی تحریکیں

خواتین کے لیے ملازمت کرنے سے اسلام قطعاً نہیں روکتا، لیکن کچھ شرائط جو کہ ملازمت کے علاوہ بھی اسلام کی ہیں مرد وزن کے اختلاط سے گریز کرنا خاوند کی اجازت سے ملازمت کی جائے اور باپردہ انداز میں خواتین ملازمت کر سکتی ہیں۔ بہت سی صحابیات کام کاج کرتیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی کام کرتیں، حضرت شفاء منڈی بازار کی چیکنگ پر مامور تھیں، تاہم دیگر لوگ کام کاج میں اپنے خاوند سے تعاون کرتی تھیں، موجودہ دور میں اس ملازمت اور نوکری میں خواتین کو گھسیٹا گیا اور خواتین کی آزادی کے چکر نے ان خواتین کے ساتھ زیادتی کی ہے، بیچاری صنف نازک کو ملازمت کی دھن میں بس کنڈیکٹر بنا دیا، پٹرول پمپ پر لا کھڑا کیا اور دیگر تمام وہ کام جو خاتون کے لیے مناسب نہیں، ان خواتین کے ذمہ لگا دیا، لیکن اسلامی نقطہ نگاہ سے خواتین کی ذمہ داری اور مردوں کی ذمہ داریوں کا بنیادی فرق یہ ہے کہ مرد باہر کی معاشی ذمہ داریاں پوری کرے، یہ بات نامناسب ہے کہ خواتین سے گھر کی بچوں کی ذمہ داری بھی پوری کرائی جائے اور باہر کی تمام ذمہ داریاں بھی پوری کی جائیں۔ آزادی نسواں کی تحریکوں نے خواتین کی سروس کو فروغ دیا اور یہ تعداد بکثرت بڑھ گئی، یہاں تک کہ مردوں کی جگہ بھی خواتین نے لے لی، مرد بے روزگار ہوتے گئے، اکثر ایسا بھی ہوتا کہ مردوں کو روزگار نہ ملا اور خواتین کو جاب مل گئی، مرد گھروں میں بچوں کی پرورش میں لگ گئے اور خاتون معاشی ذمہ داریاں پوری کرتی رہیں، البتہ بعض دفعہ مردوں نے کسب معاش سے چھٹی لی اور خواتین نے مردوں کی ذمہ داری اُٹھا لی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچوں کی پرورش درست انداز میں نہ ہو سکی اور جرائم آئندہ نسل میں بڑھ گئے۔ مرد بچوں پر وہ توجہ نہ دے پائے جو خواتین توجہ دے سکتی ہیں، البتہ خواتین کی ملازمتوں کے نتیجے میں اگر مردوں میں بے روزگاری بڑھتی ہے تو اس کا ملکی ترقی پر برا اثر پڑے گا، یہ اٹل بات ہے کہ اگر ملکی آبادی میں تمام لوگ جو پڑھے لکھے ہیں انھیں ملازمتیں نہیں دی جا سکتی، لیکن اگر پڑھی لکھی خواتین اس تعلیم سے اپنے بچوں پر وقت صرف کریں تو شاید اس بات کے اتنے مثبت اثرات مرتب ہوں گے کہ اس سے معاشرہ بہتر نتائج سے اچھے اثرات دے گا، خواتین تعلیمی میدان میں آگے بڑھیں، لیکن اس سے کسی کو نقصان نہ دیں، بلکہ اپنی اولاد کے ساتھ محنت کریں اور گھر

---

[30] صدر الدین اصلاحی، اسلام میں نکاح کے قوانین (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 2017ء)، 101۔

سے بیرونی معاملات کو بچوں کے باپ کے لیے چھوڑ دیں، تاکہ دونوں کام بہتر طور پر ہو سکیں اور ملک و قوم کا فائدہ ہو سکے۔[31]

تعلیم میں مرد و زن کا اختلاط

مرد و زن کا اکٹھے تعلیم حاصل کرنے کی ابتدا 1776ء میں امریکہ میں ہوئی، پھر اس رواج کو آہستگی سے پوری دنیا میں پھیلنے کا موقع مل گیا، اب تقریباً دنیا میں بیشتر علاقوں میں تعلیم حاصل کرنے کا مخلوط نظام ہی رائج ہے اور اکثر ممالک میں تعلیم کے حصول کا یہی طرزِ عمل پھیل چکا ہے، اس کے پھیلاؤ میں خواتین کے حقوق کی کوشش کرنے والی اکثر تنظیمیں بھی شامل ہیں، خصوصاً وہ کام جس میں مرد اور عورت میں تفریق ختم کی جائے، فیمنز تحریک کا اس میں اہم کردار ہے، تاکہ مرد وزن کے فرق کو مٹایا جا سکے، تاہم خواتین کے لیے ۱۹ویں صدی تک لڑکے اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ سکول تھے اور جماعتیں تھیں، لیکن آہستہ آہستہ معیار تعلیم بدلتے ہوئے انہیں اکٹھا کر دیا گیا، البتہ اب بھی اکثر مسلم ممالک میں اس نظام تعلیم کو مناسب نہیں سمجھا جاتا، تاہم ۲۰ویں صدی کے آخر تک اکثر تعلیمی اداروں کو مخلوط نظامِ تعلیم کے تحت اکٹھے کر دیا گیا۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے خواتین کے لیے مردوں کے اندر رہ کر تعلیم حاصل کرنے سے کئی نقصانات ہیں اور حقوق نسواں کی تنظیمیں اس کے کئی فوائد تحریر کرتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرد اور خواتین کے اختلاط سے انسانی نفس کے بہکنے کا موقع پیدا ہوتا ہے اور شیطان کے وسوسوں سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے اس مخلوط نظام تعلیم سے یونیورسٹیوں میں اور کالجز میں کس انداز کے واقعات ملتے ہیں، یہی سب باری تعالیٰ کے احکام کی عدولی ہے، البتہ ان تجربات سے یہ بات نظر آتی ہے کہ شرعی پردہ سراپا رحمت ہے۔[32]

خواتین اس نظام تعلیم میں خوش تو ہیں، لیکن ایک وقت کے بعد ان کی سوچ و فکر میں تبدیلی آتی ہے، جیسے ایک خاتون اپنی دل سوزی بیان کرتی ہے، جن خواتین نے مخلوط تعلیم سے فائدہ حاصل کیا ہے، ان کی مخلوط تعلیم سے عصمت اور غیرت ختم ہو جاتی ہے، ان خواتین میں زیادہ طور پر مردانہ اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں، جو کہ ان کی زندگی کی معصومیت زن سے انہیں محروم کر دیتے ہیں، اس کا نتیجہ خطرناک حد تک ثابت ہوتا ہے کہ یہ خواتین گھر سنبھالنے کے قابل نہیں رہتیں، اب جو مخلوط تعلیم یونیورسٹیوں میں رائج ہے، یہ مکمل مغربی اصولوں پر کاربند ہیں۔ ہماری خواتین اس سے کوئی فائدہ نہیں حاصل کر سکتیں، بلکہ الٹا نقصان اٹھاتی ہیں۔[33] جن ممالک میں مخلوط تعلیم ہے، ان ممالک کی اکثر خواتین کا کہنا ہے، امریکہ کے ایک جج لنڈ سے لکھتے ہیں: "ہائی سکول میں سروے کرنے سے 495 لڑکیوں نے خود اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں

---

[31] محمد عطاء اللہ صدیقی، "عورت اور ترقی۔" ماہنامہ محدث، مارچ 3 (2004ء): 9۔

[32] محمد ظفیر الدین، اسلام کا نظام عفت و عصمت (لاہور: دار الاندلس، 2010ء)، 305۔

[33] مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل، 5: 145۔

کے ساتھ جنسی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے۔"[34] اس سے اس جج نے بیان ریکارڈ کروایا کہ 45 فیصد لڑکیاں سکول چھوڑنے تک خراب ہو چکی ہوتی ہیں۔[35] ایک مغربی خاتون لکھتی ہیں مضمون کا عنوان "عورتوں کا تعلیمی وقت" یہ بات حقیقت ہے کہ مخلوط نظام تعلیم میں دعویٰ کیسا بھی کیا جائے لیکن طلبہ وطالبات کی جذباتی دقتوں کا ازالہ ناممکن ہے، جو نوجوانوں سے صنفی شعور کے آغاز میں پیدا ہوتی ہیں اور یہ چودہ سے اٹھارہ برس کی عمر میں انتہائی حساس ہیں، نوجوان لڑکے اور لڑکیاں باہمی میل جول سے نا صرف آپس میں جذباتی تعلقات پیدا کر لیتے ہیں، البتہ تعلیم کے لیے اور زیادہ تباہ کن یہ بات ہے کہ اس سے بہت سے بعض اوقات شاگردوں کا استادوں سے جذباتی تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔[36]

اسلام میں خواتین کے لباس کی حدود اور جدید نسوانی تحریکیں

جدید نظریات اور حقوق نسواں کے پاسباں تحریکیں تو ایک ایسا منشور اپنے دامن میں لیے پھرتی ہیں کہ خواتین کو یہ نعرہ دیا گیا کہ "میرا جسم میری مرضی" اس نعرہ میں خواتین اپنے لباس میں آزاد ہیں اور لباس کا تصور خصوصاً مغربی دنیا میں تو اب بھی ایسا ہے کہ حقوق نسواں کی تحریکوں کے علمبردار پہلے سے ہی اس تصور کو ختم کر چکے ہیں کہ خواتین کے لباس میں کوئی حد بندی ہے، لباس کی حد بندی تو اسلام میں ہے کہ اس میں تصور پردہ اور حجاب ہے، جب کہ مغربی دنیا میں اور تحریک نسواں کا خصوصی منشور تو لباس میں بھی آزادی ہے، بلکہ بقول اسراء نعمانی خواتین اگر اپنا لباس ختم کر دیں تو ننگے بدن مرد اور رعورت میں جو فرق کیا جاتا ہے ختم ہو جاتا ہے۔[37] یہی تصور یہ معاشرے کو دینا چاہتی ہیں، البتہ اس ضمن میں ایک بے پردگی کی عمدہ مثال حقوق نسواں کی بڑی تنظیم کے برہنہ حالت میں احتجاج سے نظر آتی ہے، کیا نسوانی تحریکیں خواتین کو حقوق اس لیے دینا چاہتی ہیں کہ معاشرے میں بے حیائی عام ہو، بے پردگی ہو، فحاشی اور عریانی ہو، البتہ اس کے لیے ایک سوچی سمجھی بڑی سازش ہمیں دیا جانے والا کلچر ہے، اس میں بڑا ہاتھ ہمارے ڈرامے اور فلمیں ہیں جو کہ خواتین کا ادھورا لباس باقاعدہ ترتیب دیا جاتا ہے اور اس کے لیے ڈیزائین کردہ لباس میں آہستہ آہستہ لباس کو یہ تحریکیں محرکات ہیں، جو کہ بدن پہ لباس کم کرتی جا رہی ہیں اور ہمارے معاشرے میں اور اسلامی معاشروں میں بھی کم لباس پہننے کا خواتین میں رواج عام ہوتا جا رہا ہے، یہ بتدریج سرایت کرتا ہوا زہر ہمارے سارے معاشرے میں اس کے اثرات پھیلا رہا ہے، نسوانی تحریکیں اس مقصد میں کامیاب ہو کر کون سا خواتین کے حقوق ادا کر سکتی ہیں، حیرت اس بات میں ہے کہ خواتین کے متعلقہ جو اسلامی احکام ہیں چاہے خواتین کے حق میں معاشی فوائد ہوں، جسمانی فوائد ہوں،

---

[34] سید ابوالاعلی مودودی، پردہ (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 2014ء)، 17۔

[35] مودودی، پردہ، 17۔

[36] تفصیل کے لیے دیکھیں: نوائے حرم، جمادی الاولیٰ، 1349ھ

[37] Asra Q Numani, Standing alone Mecca: A Pilgrimage into the Heart of Islam (Paper book, 2013), 9.

معاشرتی حقوق ہوں یا سماجی حقوق کی بات ہو، اگر اس حق کو مذہب کی طرف سے دیا جارہا ہے تو نسوانی تحریکیں اس کو ظلم اور ستم کا نام دیتی ہیں، چونکہ اصل وجوہات جو ہیں وہ آزادی نسواں نہیں، البتہ کسی حد تک یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے، لیکن اصل وجوہات اسلامی طور طریقہ نہیں کہ مسلمان خواتین سے یہ زندگی کی خوبصورتی جو اسلام نے دی ہے اسے اتار پھینکا جائے۔

حاصل کلام

اسلام نے نہ صرف خواتین کے حقوق ذکر کیے بلکہ معاشرے میں عورت کو بلند مقام عطا کیا۔ پردہ، نکاح، طلاق اور حق طلاق، خلع اور حق خلع، وارث اور حق وراثت جیسے مسائل کو اسلام نے احسن طریقے سے حل کیا۔ اسلام نے خواتین کی عزت، احترام اور خدمت کو لازم قرار دیا۔ اسلام نے عورت پر تشدد کرنے سے روکا اور ایسا کرنے والے کو سخت وعیدیں سنائیں۔ جہاں تک جدید نسوانی تحریکوں کا تعلق ہے تو ان میں سے بعض اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اس طرح کے واقعات کا سہارا لیتی ہیں، جس میں کوئی مسلمان کسی خاتون پر ظلم کرتا نظر آجائے۔ یاد رہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے طور پر خواتین کے ساتھ اس طرح کا کوئی ظلم کرتا ہے یا اسے اس کے حقوق سے محروم کرتا ہے تو اس میں اسلام کا کوئی قصور نہیں، بلکہ اس شخص کا وہ عمل مستحسن نہیں سمجھا جائے گا اور اسے اس کی قرار واقعی سزا بھی ملنی چاہیے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جدید نسوانی تحریکیں اس طرح کے واقعات کو مثال بنا کر اپنے بعض پس پردہ اغراض و مقاصد کو بھی پورا کرنے کی کوشش کرتی ہیں جیسا کہ ان کا یہ مطالبہ کہ اسقاطِ حمل عورت کا حق ہے، جب چاہے گرا سکتی ہے، حالانکہ اسلام اس کی حمایت نہیں کرتا۔ اسی طرح یہ جدید نسوانی تحریکیں لڑکیوں کو گھر سے بھاگ کر شادی کرنے کو بُرا نہیں سمجھتیں، جب کہ اسلام اور مسلم سماج اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ جدید نسوانی تحریکیں ہم جنس پرستی کو فروغ دیتی ہیں جو کہ اسلام میں قبیح گناہ ہے۔ جدید نسوانی تحریکیں مرد و زن کے اختلاط کو بُرا نہیں سمجھتیں، بلکہ اسے ترقی یافتہ قوم کی علامت کہتی ہیں، جب کہ اسلامی تعلیمات میں مرد و زن کے اختلاط کی حدود و قیود متعین ہیں۔ جدید نسوانی تحریکیں خواتین کو اپنی مرضی کا لباس پہنا دیکھنا چاہتی ہیں، جب کہ اسلام میں بیہودہ لباس پہننے کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ ان چیزوں سے پتہ چلا کہ اسلام نے عورتوں کو انتہائی متوازن حقوق دیے ہیں، جو جدید نسوانی تحریکیں اپنے تمام تر دعوؤں کے باوجود انھیں دلانے میں ناکام ہیں۔